Lecture of Prof. Sahib
From Naqoosh-e Sidra-e jamal

مَن عَرَفَ نَفسَہٗ

اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ العَلِيمِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيم

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم

رَبِّ اَدخِلنِی مُدخَلَ صِدقٍ وَّ اَخرِجنِی مُخرَجَ صِدقٍ وَّ اجعَل لِّی مِن
لَّدُنکَ سُلطٰنًا نَّصِيرًا

سُبحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ العِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۔ وَسَلٰمٌ عَلَى المُرسَلِينَ۔
وَالحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العٰلَمِينَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِک وَسَلِّم

خواتین و حضرات! جب میں نے کارڈ پڑھا تو اس پر صرف "وَمَن عَرَفَ نَفسَہٗ" کے الفاظ تھے اور حقیقتاً یہی اہم ہے کیونکہ جب ایک چیز complementary کر دی جائے تو دوسرا حصہ اتنا important نہیں رہتا۔ جب یہ کہہ دیا جائے کہ نفس کی پہچان ہی اللہ کی پہچان ہے تو پھر نفس کی پہچان ہی important رہ جاتی ہے۔

ایک مدت ہوئی کہ زمانے میں متکلم اساتذہ، مدرسہ صاحب علوم اور علماء سوء اور منطق ان عبادات پر بہت زور دیتے رہے جن کو ہم ظاہرہ عبادات کہتے ہیں۔ اس سے ان کی تنقیص مراد نہیں مگر جب آپ انسانی شخصیت اور انسانی حقیقت کی بہت بڑی حقیقت کو بھول جائیں تو وہ جزو

حقیقت آپ کے کس کام آئے گی۔ مذہب اسلام کی رو سے اگر کوئی چیز انسانی زندگی میں مداخلت کرتی ہے تو صرف پانچ وقت کی نماز اور تیس دن کے روزے ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ ظاہرہ عبادات کا نچوڑ ہے۔ 30 دن کے روزے اور پانچ وقت کی نماز جو مجموعی طور پر 24 گھنٹوں میں سے شاید ایک گھنٹہ بھی نہیں بنتا۔ اسی طرح جب ہم ان باطنی حقائق پر غور کرتے ہیں، پوری قرآنی تعلیمات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مراد ان ظاہرہ عبادات سے ایک ظاہری ضابطہء حیات تخلیق کرنا تھا۔ وہ بھی ایک ایسی ابتدا تھی جس سے انسان نے بہتر اخلاق اور بہتر رجحانات کی طرف move کرنا تھا، متحرک ہونا تھا، زندگی کو بہتر طریقے سے سمجھنا تھا مگر زوالِ امتِ مسلمہ کا بہت بڑا باعث یہ بنا کہ جب یہ اپنے زوال تک آئے تو تمام اصلاح پسند movements نے صرف اعمال پر دباؤ دینا شروع کر دیا۔ "تحریکِ محمدیہ" انڈونیشیا میں، "اخوان المسلمون" عرب میں، "جماعتِ اسلامی" پاکستان میں اور اب تو ان جماعتوں کے ساتھ بہت سی اور جماعتیں بھی ایسی شامل ہو گئی ہیں کہ جن کا تمام تر رجحان مذہب اعمال کی طرف تھا۔

خواتین و حضرات یہ بات یاد رکھیں کہ اعمال کی درستگی کے باوجود یہ تمام جماعتیں اپنے اپنے ماحول میں کوئی ایسی انقلاب آفرین تبدیلی نہیں لا سکیں جس سے امتِ مسلمہ کا زوال چلا جاتا بلکہ دیکھا یہ گیا کہ یہ امت مسلسل رُو بہ زوال ہوتی گئی اور اب یہ حال ہے کہ مذہب احساسِ کمتری کا حصہ ہو گیا ہے۔ اب یہ حال ہے کہ کوئی ذہین آدمی اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے پہلے سوچنا شروع کر دیتا ہے کہ میں اپنے دقیانوسی، فرسودہ، اساطیر الاولین کو لے کر کسی sky skrapper میں، کسی seven star ہوٹل میں، کسی اعلیٰ ترین اور مہذب سوسائٹی میں، کسی Horward اور Oxford اور Cambridge میں کیسے جاؤں، شرمندگی ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ خواتین و حضرات! کیا اس سے بہتر نہ تھا کہ مذہب ہی چھوڑ جاتے۔ اگر مذہب کے بارے میں اتنا apologetic ہونا تھا، اگر مذہب کے بارے میں اتنی ہی شرمندگی بنی تھی تو کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ آپ اللہ پر ایک احسان کرتے کہ بجائے اسے نفاق سے ماننے کے، بجائے حسنِ زندگی تخلیق کر

نے کے، بجائے آپنے آ پکو یاس اورالم انگیز احساسات کا مالک کرنے کے، بجائے خدا اور اسکے رسول کے نظام کو اپنی کمزوری سمجھنے کے، آپ اسے ترک کردیتے۔ آباؤاجداد سے آتی ہوئی اس تقلید کو جسے آپ نبھار ہے ہیں اور جدیدیت کے اسلام کے اس پہلو کو جو تمام تر آپ کے ظاہری اخلاق اور ظاہرہ عبادات پر مشتمل ہے، اس سے کہیں بھی natural مسلمان پیدا نہیں ہوتے۔

خواتین وحضرات! حضرت عیسیٰ کے بارے میں کہیں کہیں ایک نا قابلِ عمل طرزِ شریعت پیدا کرنے کی بات ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ نے ایسی تعلیم دی جو تمام تر باطنی تھی کہ جس نے ہمسائے کی بیوی پر نگاہ ڈالی اس نے گویا زنا کیا۔ جس نے کوئی عام گناہ کیا اور دوسرے پر شماتت کی وہ سب سے بڑا گنہگار ہے۔ انھوں نے تمام تر باطنی زندگی دی، فرمایا: "یہ کیسے علمائے دین ہیں۔ (اہلِ یہود) جو ہاتھی نگل لیتے ہیں اور مچھر چھانتے رہتے ہیں"۔ یہ تمام احساسات باطنی احساسات تھے۔ جناب عیسیٰ سے کسی نے پوچھا کہ خدا کیسے پہچانا جاتا ہے، فرمایا: Know thy self and you shall know thy God. (تم اپنے آپ کو پہچانو تو تم اپنے اللہ کو پہچان لوگے۔) خواتین وحضرات! یہ بہت بڑی statement تھی، آخر ایسا کیا self میں پوشیدہ ہے۔ یہ self ہے کیا؟ کون ہے جس کے سمجھنے سے آپ خدا تک پہنچ جاتے ہیں؟

شروع سے لے کر آج تک نفس کبھی define in a single sentence نہیں ہوا۔ ایک بہت بڑے صوفی کا قول تھا کہ میں آج تک دو چیزوں کی حقیقت نہیں سمجھ سکا۔ "ایک تو میں رسول ﷺ کے مراتب کبھی نہیں جان سکا اور دوسرا یہ کہ اشکالِ نفس کبھی نہیں سمجھ سکا۔" کتنی پیچیدگی ہے self میں مگر خواتین وحضرات! رسول ﷺ کی حدیثِ مبارکہ ہے، حدیثِ قدسی بھی ہے کہ اللہ جسے اپنا علم دینا چاہتا ہے اُس کی آنکھ اُس کے اوپر کھول دیتا ہے۔ ان دونوں پیغمبرانِ عظیم کی اتنی بڑی statements کے بعد جب ہم جناب علی کرم اللہ وجہہ کی یہ statement سنتے ہیں: "مَن عَرَفَ نَفسَہٗ فَقَد عَرَفَ رَبَّہٗ" تو ایک حیرت انگیز بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان تمام بیانات میں کہیں بھی اعمال کا ذکر نہیں۔ اگر خدا کی پہچان تحلیلِ نفسی میں

ہے علومِ نفسیہ میں ہے، اپنے آپکو جاننے میں ہے تو حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان تمام میں اعمال ظاہرہ کا نام ونشان تک نہیں، وہ statements جو بظاہر علماۓ ظاہر اور دانشورانِ عصر بڑا زور دے دے کر تمام لوگوں کو سمجھاتے رہتے ہیں۔ وجہ صرف سادہ سی ہے خواتین وحضرات! کہ اعمال ذہن کا motive drive نہیں ہوتے۔ اعمال نتیجہ ہیں۔ اعمال آپکی اُس سوچ کا نتیجہ ہیں جو کبھی ذہن میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ نماز پڑھتے ہو، اگر آپ روزے رکھتے ہو، تو اس کی کئی ایسی وجوہات ہیں جن کا خدا سے تعلق نہیں ہے مثلاً عبادت آباؤاجداد سے پائی ہوئی عادت ہے۔ اگر اہلِ عرب زمانہ قدیم میں بتوں کی پرستش کرتے تھے تو ان سے کبھی آپ پوچھ کر دیکھو کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہو، کیا تمھاری عقل تمہیں منع نہیں کرتی تو وہ صاف کہا کرتے تھے کہ ہم نے اپنے آباؤاجداد کو اسی طرح لات منات، اور عزیٰ کے سامنے جھکتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے ہم بھی اسی تقلید میں عبادت کرتے ہیں رسولِ کرم ﷺ کی حدیث مبارک بھی ہے کہ "عبادات کے متقی کا عالم وہی ہے کہ جو ایک رہٹ کے گرد چلتے ہوئے بیل یا گدھے کا ہے جو مسلسل چلتا رہتا ہے بغیر یہ سوچے سمجھے کہ میری ان عبادات کا مقصد کیا ہے"۔

دین کیا ہے؟ تمام دین اگر آپ دیکھ لیں تو حیرت سی ہوتی ہے۔ آدمؑ کی شریعت اور ہے۔ نوحؑ کی شریعت اور ہے۔ صحائفِ موسیٰ کچھ اور ہیں۔ صحائفِ عیسیٰ کچھ اور ہیں۔ یہ آپس میں متضاد نہیں ہیں، متصادم نہیں ہیں مگر کہیں دو قانون میں، کبھی ایک قانون میں ...... جب قابیل نے ہابیل کو مارا تو ایک قانون آیا۔ دنیا کا شاید پہلا قانون کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا اس نے گویا جملہ انسانیت کو قتل کیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا اس نے گویا جملہ انسانیت کو بچایا۔ پھر پرنس Hamorabi کا زمانہ آ گیا۔ زندگی قصاص میں ڈھل گئی اور قصاص کے قوانین بننے شروع ہو گئے۔ اللہ کی طرف سے قانون دیا گیا کہ: "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (اے اہلِ عقل غور کرو تو قصاص میں زندگی ہے)۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، یہ تمام قوانین آتے رہے۔ رفتہ رفتہ ذہنِ

انسان mature ہوتا گیا اور ان قوانین کی قبولیت کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتا رہا مگر یہ نہ مکمل ضابطۂ اخلاق تھا اور نہ مکمل ضابطۂ حیات تھا حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ "اَلْیَومَ اَکْمَلْتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی" (آج ہم نے آپ کا دین مکمل کردیا اور نعمت تمام کردی) جہاں اسلام آ گیا وہاں آخری استاد آ گیا۔ اب خدا کی طرف سے تمہیں کوئی ہدایت ملنے کی نہیں ہے۔

جہاں شریعتِ موسوی مکمل طور پر practical تھی اور مکمل طور پر ظاہرہ تھی وہاں شریعتِ عیسوی مکمل داخلی تھی مگر جب رسولِ اکرم ﷺ آئے تو ایک متوازن، ایک معتدل قانون تخلیق ہو گیا۔ ظاہرہ اور باطنہ دونوں اسباب کی حجت مقرر کر دی گئی۔ بھلا آپ خود سوچیں کہ اگر کسی نے میٹرک کے بعد پوسٹ گریجویشن کی ڈگری بھی لی ہو تو کیا وہ اپنی name plate پر میٹرک ہی لکھتا پھرے گا یا وہ B.A اور M.A لکھے گا۔ اگر تمام مذاہب اس پر غور کرتے تو انھیں علم ہو جاتا کہ جزوی تعلیم سے آگے بڑھتے ہوئے جب مکمل اور آخری تعلیم آ گئی تو خدا کیسے اسلام سے پہلے کے مذاہب کو آگے چلنے کی اجازت دیتا۔ وہ اپنے وقت میں لاگو تھے، اب آگے بڑھنے کے قابل نہیں تھے، آگے بڑھنے کے قابل صرف اسلام تھا۔ اسی لیے اللہ نے قرآن کے اندر فرمایا: "اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَام" کہ اب میرے نزدیک صرف اسلام ہی valid religion ہے مجھ تک پہنچنے کا...... پھر دوبارہ فرمایا: "وَمَن یَّبتَغِ غَیرَ الاِسلَامِ دِینًا فَلَن یُّقبَلَ مِنہُ" (اب اگر اسلام کے سوا کسی اور راستے پر چل کر میرے پاس آئے تو میں قبول نہیں کروں گا) اسلام مجبوری ہو گیا مگر کیوں؟ Basically the basic casue of religion was not کہ آپ عبادات کرتے رہیں۔ Basic cause of religion بڑی different تھی۔ وہ ذہنی تھی، وہ ایک قلبِ عظیم تھا جس میں انسان اپنی تنہائیوں اور وحشت میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ ایک ایسا بوجھ تھا جیسے صحرا میں کھڑا ہوا اجنبی مسافر جس کو نہ منزل کا پتہ ہو نہ کسی نخلستان کا پتہ ہو اور اس کو موت و حیات میں صرف موت ہی نظر آ رہی ہو اور وہ آسمان کو بھی سر اٹھا کر بار بار

دیکھتا ہو اور کہتا ہو: "اے مالک و کریم! مجھے کوئی راستہ دکھا" وہ اپنے دل سے یہ جاننے کی کوشش کرے کہ کوئی ایسی قوت برتر موجود ہے جو انسان کی بے پناہ تنہائیوں کو اپنی صحبت کریم سے بھرپور کردے۔ کوئی ایسا لمحہ آئے جو اس اتنے بڑے ویرانے میں کوئی ایک کرن پیدا کردے روشنی کی جس سے اسے منزل مل جائے۔

خواتین و حضرات! شریعتیں بدلتی رہیں مگر دین کا ایک مطلب قائم رہا، ایک مقصد قائم رہا کہ دین ہم اس کو کہتے ہیں جو بندے کو خدا تک لے جائے۔ خدا کو پہچاننا مقصدِ حیات تھا اور بندے کا خدا تک پہنچنا مقصدِ مذہب تھا۔ مذہب چاہے کسی وقت بھی آیا ہو اس کا بنیادی مقصد شریعتوں کے بدلنے کے باوجود بھی نظر سے غائب نہیں ہوا، وہ یہ کہ بندے کو خدا تک پہنچنے کا رستہ دینا۔ مذہب رستہ ہے، منزل مقصود نہیں ہے۔ منزل مقصود اللہ ہے۔ خود خدا ہے۔ اس کے علاوہ مذہب کا بنیادی مقصد اور کوئی نہیں ہے۔ بنیادی مقصد کے بعد جب مذہب شعورِ انسان میں ڈھلتا ہے، جب آپ نے مذہب کی بنیادی ترجیح پوری کردی تو مذہب نیچے آکر ایسا ماحول تخلیق کرتا ہے ایسی مجلس سنوارتا ہے، ایسا معاشرہ تخلیق کرتا ہے، جہاں ایک ایسا اچھا ماحول ہو، جہاں اگر سارے نہیں تو کسی Pyramid کی طرح، کسی احرام کی طرح اگر اس کی بنیاد میں دس کروڑ انسان خدا شناس نہیں تو کم از کم اوپر اٹھتے ہوئے اس Pyramid کی top پر تو ایک خدا شناس کھڑا ہو، جس کو دیکھ کر سارے نچلے لوگ بھی ہدایت پائیں، درمیانے بھی ہدایت پائیں اور اوپر سے آتی ہوئی روشنی معاشرے کے ایک ایک فرد کو پہنچے۔

خواتین و حضرات! میں مکاتبِ فکر کا مخالف نہیں ہوں۔ نہ دیوبند کا، نہ بریلوی کا، نہ اہلحدیث کا، مگر ایک سوال پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔ اگر یہ تمام مکاتبِ فکر اپنے آپکو خدائی علوم اور مذہب کا ماہر سمجھتے ہیں تو ان کو کم از کم ایک تو خدا شناس اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ ایک خدا شناس جو ان کی top پر بیٹھا ہوا ہو اور جسے دیکھ کر گمان ہو کہ یہ فیصلہ کن شخصیت ہمیں ضرور خدا تک لے کر جائے گی مگر یہ کیا ہوا کہ صبح سے لے کر آپ شام کرتے ہو، ایک سال سے آپ ایک decade

گزار دیتے ہو، عمریں تمام کر دیتے ہو، اور خدا کے احساس سے ناشناس رہتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ("وَمَن عرَفَ نَفسَهٗ") کہ آپ اپنے نفس کو نہیں پہچانتے۔

خواتین وحضرات! میں نے ابھی آپ کو تین اقوال سنائے، مگر ایک بات ان تینوں اقوال میں نہیں ہے۔ نفس کی پہچان کا ذکر تو ہے مگر نفس کی مخالفت کا نہیں ہے۔ نفس بہر حال میں خدا کے خلاف ہے۔ حدیثِ قدسی ہے: ''اللہ نے نفسِ انسان کی شکل میں اپنا سب سے بڑا دشمن تخلیق کیا''۔ پھر خدا نے قرآنِ حکیم میں فرمایا: ''وَاَمَّا مَن خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفسَ عَنِ الهَوٰی" (اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کی مخالفت کی۔) جس نے اللہ کے پاس پہنچنا ہے، جس نے اللہ کی مخالفت کا خیال ترک کر کے خدا کو چاہنا اور ماننا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس کی مخالفت کرے یعنی دو قوانین بن گئے، ایک پہچان ہے اور دوسرا بہر حال میں اس کی مخالفت کرنا ہے...... پہلے اقوال میں پہچاننے کا ذکر ہے۔ ایک مکمل statement سے تینوں کے تینوں جو پہچانے گا وہ اس کو یقیناً اپنا دشمن جانے گا مگر کیوں خواتین وحضرات؟ نفس تو میں ہوں نفس تو آپ ہیں، نفس تو زندگی ہے، نفس تو خوراک ہے لباس ہے، تولید ہے۔ آخر یہ مخالفت کیوں؟ اس کی ایک بنیادی وجہ ہے۔ چالیس ہزار سال پہلے تاریخِ عالم میں Ice period میں آخری دورِ برف گزرا۔ چالیس ہزار سال سے پہلے جو انسان ہمیں نظر آتا ہے، جو تین لاکھ سال پہلے انسان ہمیں نظر آتا ہے، جو ہمیں primates میں نظر آتے ہیں...... زمین پر رہنے والے جانوروں اور درندوں نے ایک فیصلہ کیا۔ ان میں سے کچھ نے کہا کہ ہم سوراخوں میں جائیں گے، ہم بلوں میں گھسیں گے، ہم اپنی حفاظتی جگہوں کو نہیں بدلیں گے۔ کچھ نے فیصلہ کیا کہ نہیں ہم آسمانوں کو جائیں گے۔ یہ ایک جبلی intelligence کا فیصلہ تھا۔

intelligence آپ میں اور جانور میں مشترک ہوتی ہے۔ intelligence ہر ذی حیات میں کسی نہ کسی پہلو میں پائی جاتی ہے۔ اس ذکاوتِ حس میں کچھ جانوروں نے فیصلہ کیا

کہ ہم آسمانوں کو بلند ہوں گے، ہم اوپر جائیں گے، ہم درختوں پر جائیں گے، ان میں انسان بھی تھا۔ اس ابتدائی ذہنی کاوش کی وجہ سے انسان کے اُن آباؤ اجداد نے جن کو ہم primates کہتے ہیں، یہ پہلا فیصلہ کیا۔ وہ primates ایسے ہیں خواتین وحضرات! کہ اگر آپ اُن کو خواب میں دیکھ لو تو آپ چیخیں مارتے ہوئے اُٹھ جاؤ۔ اتنی خوفناک، اور عجیب وغریب شکلیں ہیں اُن کی primates But with the all scientific survey of modern biology, we consider them the first humans. پھر آگے بڑھتے بڑھتے، ترقی کرتے کرتے لاکھوں سال کی مسافت سے آگے بڑھتے ہوئے یہ Homo Habilus میں بدلے Homo Erectus میں بدلے۔ پھر بھی ہمیں ان میں عقل و شعور نظر نہیں آتا۔ ان میں جبلی اقدار تو نظر آتی ہیں، بدنی شعور تو نظر آتا ہے مگر عقل ومعرفت کا کوئی ذرہ نظر نہیں آتا۔ پھر ایک چوتھا اور آخری برفانی دور زمین پر گزرا، آخوآ خو میل گہری برف پڑی۔ ان میں سے کچھ بھی نہیں بچا۔ بچنے والوں میں سے ایک انسان بچ کر نکلا۔ یہ بڑا عجیب و غریب انسان تھا۔ جس age کو ہم Neolithic age کہتے ہیں، اس age سے نکلتا ہوا انسان پہلے انسان کی طرح نہیں ہے۔ آپ اسے Homo sapien-sapien کہتے ہیں۔ یہ انسان آتے ہی بستیاں بسانا شروع کر دیتا ہے، میاں بیوی کے فرائض مختلف کر دیتا ہے، اپنے بچے کی حفاظت کے لیے گھروندے بنا رہا ہے، باہر کا کام آپ سونپ لیا، عورت کو گھر کا کام سونپ دیا۔ یہ تفریق غیر عقل ممکن نہ تھی۔ یہ وہ دور ہے جسے ورودِ آدم کا دور کہیں جب پروردگارِ عالم نے آدمؑ کے وجودِ روحی کو زمین پر منتقل کیا تو خواتین وحضرات! زمین پر کوئی چیز ہونی چاہیے تھی، روح کہاں بھٹکتی پھرتی۔ کوئی وجود تیار ہوتا تو اس میں آدم رکھتا...... اس لیے زمین پر جس خاکی وجود کی تعمیر ہو رہی تھی، زمین پر جو ایک انسانی وجود بن رہا تھا وہ اپنے دورسے گزر رہا تھا جس کی نشاندہی اللہ نے اس آیتِ کریمہ میں کی ہے: "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ" (بلاشبہ انسان پر زمانے میں بڑا طویل عرصہ ایسا گزرا کہ یہ کوئی قابلِ ذکر شے نہ تھا۔) کوئی جرثومہ حیات

تھا،کوئی سنگل سیل تھا۔

Will Duran نے کہا کہ زندگی نے موت سے ایک معاہدہ کیا۔ معاہدہ یہ تھا کہ ہمیں موت قبول ہے مگر ہمیں ایک تسلسل اور تولید چاہیے۔ پھر وہاں کسی single cell نے multiply ہونا سیکھا اور مرنا شروع کر دیا مگر ساتھ ساتھ زندگی کا ایک تسلسل بھی شروع ہو گیا۔ پھر خدا نے کہا: "فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا م بَصِيْرًا " ہم نے چاہا کہ اس اندھے اور بہرے جرثومے کو آگے بڑھائیں۔ ہم نے اسے سماعت دی، بصارت دی۔ وجود complicate کر دیا۔ خواتین و حضرات! یہ کسی سے کم ہونے والا جرثومہ نہیں تھا، یہ پہلے بھی specific تھا۔ بڑے مشہور حیاتیاتی مفکر نے پچاس سال genetic پر کام کرنے کے بعد آخر میں ایک بات کہی ہے کہ پچاس برس کی تحقیق میں مجھے ایک بات پر بڑی حیرت ہوئی ہے کہ انسانی جرثومے میں کوئی تغیر نہیں آیا، صدیوں سے کوئی تغیر نہیں آیا۔ جیسے یہ پہلے تھا آج بھی ویسا ہے۔ جو صلاحیتیں پہلے دن اس میں رکھی گئی تھیں وہ صلاحیتیں آج بھی اس میں موجود ہیں۔ Human genes متغیر نہیں ہوا۔ زمانوں اور صدیوں سے گزرتا یہ ویسا ہی چلا آتا ہے مگر خواتین و حضرات! اس کا پھر اللہ نے مقصد متعین کیا۔ یہ ایک بڑی عجیب سی بات تھی کہ آسمانوں میں اللہ عبادت سے تنگ تھا۔ اللہ عبادت، عجز سے تنگ تھا۔ directions دے دے کر عبادت کرا رہا تھا۔ ملائکہ کو کوڈ آف ایکشن دی ہوئی تھی۔ تنگ آ گیا تھا۔ ہر مخلوق کو اس نے ایک کوڈ دی ہوئی تھی۔ ان کو choice نہیں تھے۔ پھر اللہ نے سوچا کہ ایسی مخلوق پیدا کرے، ایسی مخلوق جس کو میں artificial intelligence دے دوں، فیصلہ کرنے کی صلاحیت دے دوں۔

ابھی تو یہ حال ہے کہ آسمان ارواح کے بے شمار لشکر سے بھرے پڑے ہیں۔ زمین ایک ارب مخلوقات سے بھری پڑی ہے مگر ان سب کے بارے میں اللہ کا ایک ہی کہنا ہے کہ میں نے تم میں حکم ڈال دیا ہے چاہے مرضی سے آؤ، چاہے تو بغیر مرضی کے آؤ اور جیسے زمین و آسمان نے عرض کی کہ "اے پروردگار عالم ہم میں کہاں جرأت یا انکار ..... اے وقت کے مالک و خالق جو تم نے ہم

میں حکم ڈال دیا ہے ہم بخوشی اسے پورا کریں گے مگر اللہ کو یہی بات پسند نہیں۔ جو کہتا ہے کہ اس کو خوشی سے پورا کرے گا کیا اس میں انکار کی مجال تھی؟ کیا جرأت انکار تھی؟ کیا choices تھے اور خدا تو بہت بڑا ہے، بہت بڑا ہے۔

سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گر تھا

صفا تھی جس کی خاکِ پا کی بڑھ کر ساغرِ جم سے

ایسا ماہر، ایسا خلاق کہ جس نے اپنی تخلیقات کا خود دعویٰ کیا ہوا تھا۔ " هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ " میں ہی خالق ہوں، میں ہی بنانے والا ہوں، میں تصویر کش ہوں، میں ہی تصویر ساز ہوں، میں نے ہی کائنات میں رنگ بھرے.....مگر تعریف کون کرتا؟ تعریف کے قابل وہ مخلوق تو نہ تھی جن میں حکمِ تعریف ڈال دیا گیا تھا۔ خواتین و حضرات! غور کیجئے گا، آج کے سائنس دان کو یہ مرحلہ درپیش ہے کہ وہ اپنے ان لوگوں کو Artificial intelligence نہیں دینا چاہتا۔ وہ یہ risk نہیں لے سکتا، اس کو شبہ ہے کہ اگر میں نے روبوٹس کو Artificial intelligence دے دی، ان کو نیک و بد کی تعلیم کے ساتھ ان کو اختیار دے دیا کہ جہاں نیکی کو دیکھو اس کو چاہو اور جہاں برائی کو دیکھو اس کی مخالفت کرو تو سب سے پہلے روبوٹس اٹھ کر نسلِ انسانی کو مٹا دے گا۔ اپنا حال تو ہم سب کو پتہ ہی ہے مگر اللہ بہت بڑا ہے۔ اُس کو انسان سے کوئی ڈر نہیں تھا۔ اس کو کسی بغاوت کا خوف نہ تھا۔ وہ دینے والا تھا، لینے والا نہیں تھا۔ اُس کی طاقت کو کوئی للکار نہیں سکتا تھا۔ وہ جابر و قاہر تھا۔ " وَلِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ " اس نے یہ risk لیا۔ اس نے انسان کو Artificial intelligence دے دی (کہ کون اس کی تعریف کرتا ہے۔) مگر خواتین و حضرات! یہ دونوں پہلو جب اکٹھے چلتے ہوئے آئے تو اتنی طویل مدت سے انسان جانوروں میں رہ رہا تھا تو کیا جانوروں کی خصلتیں اُس میں نہ آتیں؟ کیا صحبت کا اثر اس میں نہ آتا؟ انسان کا نفس ان جبلتوں کا مرکزی تصور ہے جو ہم میں اور جانور میں مشترک ہیں۔ نفس کی اگر کوئی تعریف ہو سکتی ہے تو وہ یہ کہ یہ ان جبلتوں کا packet ہے جو ہماری حیات کے لیے ضروری ہیں اور خواتین و حضرات دور

حاضر میں علوم نفسیات نے نفس پر بہت تحقیق کی، مگر علوم نفسیات کے ماہرین خدا تک نہیں پہنچے۔ کیا یہ ایک عجیب سا تضاد نہیں ہے "I wrote a synthesis in one of the article while delivering speach at Islamic University" تو میں نے انہیں ایک جملے میں کہا کہ Psychology if applied to others is a science, if appiled to one ownself is mysticism آپ نفسیات کے اصول اپنی ذات پر استعمال کرو، دوسروں کے complexes نہ ڈھونڈو، اگر آپ دوسروں کی inferiorities کی تلاش نہ کرو، دوسروں کے احساسِ بقا کو متوازن نہ کرو۔ ذرا غور کیجئے کہ کہاں کہاں علوم نفسیات خدا کی تائید میں اترتے ہیں اور کہاں کہاں انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ" (ہم نے تمام جانوں کو بخل جان پر جمع کیا) اور یہ بنیادی instinct ہے۔ بنیادی جبلت سے کسی کو نجات نہیں ہے۔

نفسیات والے اس نتیجے پر پہنچے کہ The only basic instinct is survival. خدا نے جب تخلیقات زندگی کی تو چیونٹی میں بھی مفادات زندگی رکھے۔ بلی اور چوہے میں بھی مفادات زندگی رکھے۔ survival (بقا) اتنی قیمتی instinct ہے، اتنی خوفناک instinct ہے کہ اللہ نے اس پر چار حرام معطل کر دیئے: "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ عَلَيْهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" یہ چار حرام مطلق ہیں مگر جب جان اضطراب میں چلی جائے...... اگر تم جان کو حاصل کرنے کے لیے، قائم رکھنے کے لیے تھوڑا سا حرام کھا بھی لو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ اتنی بڑی instinct تھی کہ حدیث رسول ﷺ ہے کہ:

"بھوکے کا ایمان ہر وقت خطرے میں ہوتا ہے"

مگر خواتین و حضرات! ایمان وہ شے ہے جو survival پر غالب آجاتا ہے۔ شہید survival پر غالب آجاتا ہے۔ صحابہ رسول ﷺ اس survival پر غالب آگئے کہ جب دس صحابی پکڑے

گئے اور ہرقل روم کے پاس گرفتار ہوئے تو اس نے حکم دیا کہ انھیں بھوکا رکھا جائے اور جب ان کو بھوکا رکھا گیا تو ان کو سور کا گوشت دیا گیا صحابہ رسول ﷺ نے اسے نہ کھایا۔ قیصرِ روم خود ان کے پاس چل کر گیا، کہا کہ میں نے تمھارا قرآن دیکھا ہے۔ میرے علم میں ہے کہ تمھارے رسول ﷺ نے کہا ہے کہ اگر تمھاری جان اضطراب میں چلی جائے تو تم حرام کھا سکتے ہو مگر صحابہ رسول ﷺ نے کہا، ہاں، ہمیں پتہ ہے کہ ہمیں اجازت ہے مگر ہم عام لوگ نہیں ہیں، ہم اصحاب محمد ﷺ ہیں اس لیے ہم یہ نہیں کھا سکتے۔

خواتین و حضرات! یہ وہ instinct ہے جو complicate ہو کر آپ کی زندگی میں مقام کا باعث بنتی ہے۔ تولید کا باعث بنتی ہے۔ survival وہ جبلت ہے جو خدا کی پرواہ نہیں کرتی۔ survival وہ جبلت ہے جو تمرد سے آشنا ہوتی ہے۔ حضرت امام محمد بن احمد الغزالی نے کہا کہ "آخری چیز جو سینۂ انسان سے نکلتی ہے وہ حبِ جاہ ہے"۔ ذات کی تمرد کی خواہش، شہرت اور عزت کی خواہش، بڑا ہونے کی خواہش...... یہ جبلت پتہ نہیں کتنی complicated ہے کہ مرتے دم تک بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑتی، عزت اور بزرگی کی خواہش آپ کی جان نہیں چھوڑتی۔ محبت ایک ایسی خواہش ہے کہ محبت میں الجھا ہوا انسان خدا کی شناخت نہیں کر سکتا، اسی لیے قرآن حکیم نے صاف طور پر کہا: "تم مجھے نہیں پا سکتے ہو جب تک تم اپنی محبتیں میرے لیے قربان نہ کرو"۔ "لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ" (تم میری محبت حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ میرے لیے اپنی محبتوں کو قربان نہ کرو)۔

خواتین و حضرات! یہ اکیس یا بائیس جبلتیں ہیں، ان کے پیکٹ کو نفس کہتے ہیں۔ نفس جو ہر صورت اپنے آپکو زندہ رکھنے پر آمادہ ہوتا ہے، نفس جو ہر صورت برتری کا خواہاں ہے، نفس جو ہر صورت آپکو آگے بڑھنے سے روکتا ہے، نفس جو زندگی سے باہر جانے کا خواہش مند نہیں ہوتا، وہ طبیعات سے مابعد الطبیعات کو جانے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔ میں نے خود اپنے کانوں سے ایک متمرد بزرگ کو ایک بات کہتے ہوئے سنا، بازار میں چل رہے تھے تو کسی نے کہا کہ صاحب اب تو

خدا کا خیال کرو۔ اُس نے جواب میں کہا کہ ہم تو بھائی دنیا کے لیے پیدا ہوئے ہیں، ہمیں دنیا کا خیال کرنا ہے تم خدا کا خیال کرلو۔ خواتین وحضرات! یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے عقل ختم ہو جاتی ہے۔ عقل جو خدا کی نعمت ہے جسے جب اللہ نے تخلیق کیا تو کہا کہ مجھے چل کر دکھا، جب وہ چلی تو اللہ نے کہا کہ میں نے کیا خوبصورت شے تخلیق کی ہے پھر تحفۃً انسان کو بخشی۔ اس کا صلہ آدمیت تھا، اس کا صلہ اشراف بنانا تھا، احسنِ تقویم تھا، غلبہ، حیات تھا مگر یہ عقل اُس وقت ضبط ہو جاتی ہے جب یہ جبلی دباؤ میں آتی ہے۔ جب تک آپ اس کا analysis نہیں کرو گے اور "مَن عَرَفَ نَفْسَہٗ" کا واحد مطلب یہی ہے کہ اس سے پہلے اگر آپ اپنے مقاصد کا تعین کرلیں۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے مقاصد میں خدا ہے ہی نہیں۔ کیوں نہیں؟ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے انسانی ذہن ودل میں اپنی کوئی خواہش نہیں رکھی؟ فرق صرف اتنا ہے خواتین وحضرات کہ یہ جو کمپیوٹر ہے، ذہن کمپیوٹر کی طرح ہے۔ یہ آپ کو وہ بات نہیں بتا سکتا جس کا data آپ نے اس میں feed نہیں کیا۔ اگر آپ نے حکمِ پلاسی نہیں پڑھی تو یہ پلاسی کا سن نہیں دے سکتا۔ اگر آپ نے اس میں کوئی data feed نہیں کیا تو یہ آپ کو اس کا نتیجہ یا مطلب نہیں بتا سکتا۔ ذہن کے data میں اللہ نے ایک inherent صلاحیت رکھی ہے، تمام انسانوں میں رکھی ہے، تمام ذی حیات میں یہ ایک صفت رکھی ہے۔ ذہنِ انسان نے ایک فلسفہ ترجیحات رکھا ہے مگر ہوتا کیا ہے خواتین وحضرات کہ ہم اپنی فوری ترجیحات کے قیدی ہو جاتے ہیں۔ ہم پابند ہو جاتے ہیں اُن فوری ترجیحات میں جو day to day ہیں week to week ہیں، year to year ہیں، five to five years planning ہیں مگر پوری زندگی کی ترجیح کو فراموش کر دیتے ہیں۔ پوری زندگی کی ترجیح صرف ایک ہی ہے جو قرآن حکیم میں اللہ نے آپ کو بتا دی کہ تمام عرصہ حیات سے گزرنے کے بعد پوری عقل میں نے آپ کو اس لیے دی ...... رزق کے لیے نہیں دی، بچوں کے لیے نہیں دی، بیوی کے لیے نہیں دی، خاوند کے لیے نہیں دی، پوری زندگی: "زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ" میں نے انسان کو شہوات سے رونق دی ہے ترغیبات دی ہیں۔ "مَن

النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنطَرَۃِ" عورتوں، مردوں، بچوں سے، "مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ" سونے اور چاندی سے "وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَۃِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط" گھوڑے اور گاڑیوں سے رونق دی ہے۔

اگر پوری زندگی کا مقدمہ لے لیا جائے، تو انہی possessions میں ساری زندگی گزرتی ہے۔ ان possessions کو خدا شہوات دنیا قرار دیتا ہے۔ پھر مقصد حیات کیا رہ گیا؟ تو اللہ کا کہنا یہ ہے خواتین و حضرات کہ نفس کے اشتباہ سے وہ شخص بچتا ہے کہ جو اللہ پر یقین رکھتا ہے اور اس سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے۔ "ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا" متاع حیات کا سودا متاع حیات سے کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ نفس خراب کار اس میں حائل ہوتا ہے۔ یہ آپ کو blindly affect دیتا ہے۔ آپ کو اندھا کرتا ہے۔ اشتباہ میں ڈالتا ہے۔ مستقبل کے بارے میں آپ کو مشتبہ کر دیتا ہے۔ شک و شبہ نفس کی کیفیت ہے۔ تجسس اس کی کیفیت ہے۔ غیبت اس کی کیفیت ہے۔ یہ ساری جبلتیں مل کر اللہ کا ایک بڑا طاقت ور دشمن create کر دیتی ہیں جسے ہم نفس کا نام دیتے ہیں۔ اس کا analysis اس کی agetations بے شمار ہیں۔ جیسے شطرنج کے شاید مہرے تو بتیس ہوں گے، مگر چالیں ایک ارب ہیں۔ جبلتیں بائیس ہیں مگر جب یہ interact کرتی ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ ملتی ہیں تو چھوٹی چھوٹی باتیں، چھوٹے چھوٹے المیے create کرتی ہیں۔ تمام انسان اگر ساری زندگی نفس سے لڑتے رہیں تو بھی وہ اس پر غالب نہیں آسکتے مگر جیسے حضرت یوسفؑ نے فرمایا: "وَمَا اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ" (میں نہیں پاک کہتا اپنے نفس کو۔ بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے) "اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط" (مگر جس پر میرا رب رحم کرے) "اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" (یوسف ۱۲:۵۳) (بے شک میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) تو کیوں نہ اس کے نام کی تسبیح کرو: "اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" یہ اللہ کی بے پناہ بخشش، بے پناہ رحم کا نام ہے جو لوگ "اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" کی تسبیح کریں، جیسے آپ کے ایک معزز پیغمبر نے آپ کو بتائی ہے تو اشکالِ نفس کو دور

کرنے کے لیے یہ نسخۂ اکسیر ہے۔ "اِنَّ رَبِّی غَفُورٌ رَّحِیم" بے شک میرا رب بہت زیادہ بخشنے والا اور بے انداز رحم کرنے والا ہے اور اس ظالم فریب کار نفس کے چنگل سے اگر مجھے کوئی بچا سکتا ہے تو میرے غیب کا یقین مجھے بچا سکتا ہے۔

خواتین وحضرات! ایک بہترین سودا کار عقل آپکو نفس کے عذاب سے بچا سکتی ہے۔

ایک اچھا business mind آپکو نفس سے بچا سکتا ہے۔ وہ جو سیانا بندہ ہے، جو local temper کا نہیں ہے، جو چھوٹی چھوٹی ترجیحات میں گم نہیں ہوتا وہ جو اپنے آپ کو صاحبِ علم سمجھتا ہے اور انسان پر خدا کا تمام انحصار عقل کی بنیاد پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو پسند نہیں کرتا بلکہ بڑی حقارت سے اس کا ذکر کرتا ہے کہ عقل ومعرفت، سوچ وسمجھ دیے کے باوجود وہ لوگ جاہل ہیں۔ خداوندِ کریم نے ان لوگوں سے بڑی ہی نفرت کی ہے، بلکہ اپنی اُس صفتِ عالیہ کی تحقیر جانتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس نے انسان کو معزز کیا، احسنِ تقویم بنایا، شرفِ خلاقیت بخشا اور فرمایا: "اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِندَ اللہِ الصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِینَ لَا یَعْقِلُونَ" بے شک میرے نزدیک بدترین جانور وہ ہیں ...... (انسان نہیں بلکہ دآبۃ کہا کہ بدترین جانور وہ ہیں) جو سوچتے سمجھتے نہیں ہیں اور اندھا دھند میری آیات پر گرتے ہیں جو غور و فکر نہیں کرتے۔" خداوندِ کریم نے اس نفسِ خراب کار کا توڑ اپنی اس دی ہوئی عقل میں رکھا، اُس معرفت میں رکھا۔ وہ عقل جسکو آپ وسیع تر کرو گے، اگر آپ اچھے business man ہو تو جب آپ کائنات کو دیکھو گے تو آپکو یہ زندگی بڑی مصروف نظر آئے گی، بڑی ہی مصروف نظر آئے گی غور تو کیجئے ذرا کہ آپ کے اُدھر Trillion years of life ہے۔ ارب ہا ارب سالوں کی زندگی سے آپ چل کر آئے ہو، ارب ہا ارب سالوں کی زندگی آپ کے سامنے ہے اور آپ کو ملا کیا ہے؟ ستر برس، اسّی برس، سو برس، کیا برا سودا ہوگا کہ اگر میں اسّی برس کے لیے اپنی بے کراں، کھرب ہا کھرب کی زندگی کو ignore کردوں تو یہ کیا برا سودا ہوگا۔

جبلت اور عقل میں بس یہی فرق ہے خواتین وحضرات! کہ جبلت ایک چھوٹے سے

معمولی سے فائدے پر آپ کو مرتکز کر دیتی ہے اور عقل آپ کو بے پناہ فوائد کی خبر دیتی ہے جو مستقبل میں ہے۔ جو یہ فرق جان جائے اور جو خدا پر یقین رکھتا ہے اور معاف کیجئے گا خدا پر یقین کوئی بھی نہیں رکھتا اس لیے کہ وہ اعتقاد در خور اعتنا نہیں ہوتا جس پر آپ نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔ اگر آپ کو اللہ پر اعتقاد ہو تو آپ تعویذ پر کیسے اعتقاد رکھو گے۔ اگر آپ کو خدا پر یقین ہے تو پھر جادو اور سحر پر کیسے اعتبار رکھو گے۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ وہ قادر مطلق ہے، اگر آپ کو یقین ہے کہ موت و حیات اس کے قبضے میں ہے۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ اوّل و آخری سانس وہ دیتا ہے، اگر آپ کو یقین ہے کہ وہ مرض دیتا ہے، وہ شفا دیتا ہے، اگر آپکو یقین ہے کہ زندگی کے ہر لمحے میں وہ آپ کی حیات میں دخل دیتا ہے، آپ کو اچھی بُری خبر دیتا ہے، بچے، بیویاں اور خاوند دیتا ہے تو پھر بھی آپ اس کی تمام قوتوں کو بانٹ دیتے ہو۔ کبھی کسی تعویذ ساز کے حوالے کر دیتے ہو، کبھی کسی جادوگر کی قوت کے حوالے کر دیتے ہو۔

خواتین و حضرات! آپ اشراف عرب سے مختلف تو نہیں ہیں۔ آپکا خیال تھا کہ اہلِ مکہ اللہ کو نہیں مانتے تھے، آپ یقین جانیں کہ وہ اللہ کو مانتے تھے۔ وہ اللہ کو بہت مانتے تھے۔ بنو ابراہیم تھے کیسے اللہ کو نہ مانتے، وہ تو بہت مانتے تھے، بات بات پر اللہ کہتے تھے، حتیٰ کہ آپ یقین جانیں کہ وہ مشرک عرب جو ابرہہ کے لشکر کو لے کر آیا تھا، ان کو گائیڈ کرتا ہوا کعبہ تک لایا تھا، جب کعبہ کے سامنے آیا تو اس نے اس مہابت سے اجازت مانگی کہ میں نے دو باتیں کہنی ہیں اور ہاتھی کے کان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے ہاتھی تو اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ اس بنو ابراہیم کے اللہ کا گھر ہے، تو جانتا ہے کہ یہ خدا قادر و مطلق کا گھر ہے، اب اگر تو نے کوئی گستاخی کی تو وہ اللہ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ ان کا یقین و اعتماد اللہ پر تھا۔ مگر وہ کہتے کیا تھے؟ خواتین و حضرات! جو آپ آج کہتے ہو۔ جی! اللہ کو ہم مانتے ہیں مگر دیکھو تعویذ کا اثر بھی ہوتا ہے۔ کیسا اثر ہوتا ہے؟ جب آپ کو اللہ نے ایک بات سمجھا دی: "وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ" (جو رحمان کے ذکر سے غافل ہوا۔) "نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا" ہم اس پر ایک شیطان کو غلبہ دیتے ہیں۔

"فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ" (اور وہ اس کے قریب رہتا ہے۔) اصول بتا دیا کہ جب تم اللہ کے ذکر سے غافل ہو گئے تو شیطان تم پر ضرور غلبہ پائے گا اور اس سے بڑی بات اور کیا ہے جو اے اہل عرب تم کہتے ہو کہ بھلا سارے کام اللہ کیسے نبھاتا ہے اس کو کچھ assistants بھی چاہئیں۔ اللہ بے چارہ assistants مانگتا ہے......

ایک بہت بڑے .T.V عالم نے کہا تھا کہ میں ابابیلوں پر یقین نہیں رکھتا۔ ہو سکتا ہے کوئی بُرا مرض پھیلا ہو جس سے ابرہہ کا وہ لشکر مر گیا ہو، ابابیلوں پر مجھ کو یقین نہیں ہے۔ میں سوچتا تھا یار! اسکا اللہ کے بارے میں کیا خیال ہو گا۔ یہ کوئی Next door neighbour سمجھتا ہے خدا کو کہ اتفاقاً جس کی لاٹری نکل گئی اور جو "اللہ" بن گیا ہو، اتفاقاً دنیا سے گزر کر آسمانوں میں اس کو کوئی jack pot مل گیا ہو کہ اس نے زمین و آسمان بنا دیئے۔ خدا کے بارے میں ہمارا ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے عالموں کا تصور اتنا ناقص ہے کہ وہ عذاب قبر نہیں مانتے۔ کیوں جی؟ آپ ان سے پوچھو، کیوں نہیں مانتے ہو؟ کیا اللہ عذاب قبر نہیں کر سکتا؟ کیا اپنے رسول ﷺ کو آسمان تک نہیں لے جا سکتا؟ کیونکہ وہ "اللہ" کو "اللہ" نہیں سمجھتے، وہ اللہ پر اپنی ذات کا گمان کرتے ہیں۔ چونکہ میں، بندے کو آسمان تک نہیں بھیج سکتا تو اللہ کیسے بھیج سکتا ہے؟ وہ آخر ہے تو میری طرح ہی نا...... کہیں آس پاس بیٹھا ہو گا۔ اتفاق سے اس کی شان بن گئی، وہ "اللہ" بن گیا۔ یہ وہ تکبرات ذہن ہیں جو خدا کی پہچان میں حائل ہوتے ہیں۔ یہ نفسی تکبرات ہیں، یہ وجاہت طلب انسان کے تکبرات ہیں مگر خواتین و حضرات! ان لوگوں کا مطالعہ بھی proper نہیں ہوتا، ان لوگوں نے اس وقت کی تعلیم بھی حاصل نہیں کی ہوتی۔ فرض کیجئے کہ آج کا ایک شخص کہے کہ دریائے نیل نہیں پھٹا تھا، ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ آج کا کوئی جدید مفکر اٹھ کر کہے کہ میں نہیں مانتا، نیل میں کچھ بھی نہیں ہوا تھا مگر خواتین و حضرات پندرہ سو یا دو ہزار سال بعد میں ایک فرد واحد ہوں جس کی رائے ہے کہ نیل نہیں پھٹا تھا، وہ کسی اور طریقے سے اس پر سے گزر گئے ہوں گے۔ ہم تک یہ داستان پہنچی ہے کہ نیل پھٹ گیا، ہم تک داستان یہ پہنچی ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ مگر ایسا ہوا نہیں تھا، کچھ

اور عقلی توجیہ ہوگی، کچھ اور پس منظر ہوگا۔ خواتین وحضرات! ایک بات یقین سے بتایئے گا کہ کیا موسیٰ وہاں اکیلا تھا۔ باب گنتی میں عہد نامہ عتیق میں ہے کہ جب نیل سے گزر کر یہودیوں کی گنتی ہوئی تو بارہ Tribes کی گنتی بارہ لاکھ انسانوں تک پہنچی۔ بارہ لاکھ یہودی حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے۔ اب آپ بتایئے کہ جب حضور ﷺ کی انگشتِ مبارک سے پانی جاری ہوا تو سات سے پانچ ہزار صحابی اس وقت ساتھ تھے۔ اگر گواہ ایک آدمی ہوتا تو کوئی کہتا کہ وہ نہیں مانتا مگر مصیبت تو یہ ہے کہ بارہ لاکھ لوگوں نے شہادت دی ہوئی ہے بارہ لاکھ کی شہادت بھی اگر آپ نہ مانو تو ایک آدمی تو ایسا نکالو جس نے کہا ہو کہ ایسا نہیں ہوا۔ دیکھئے، اگر آپ کو عقلی reason پر جا نا ہے تو جہاں بارہ لاکھ eye witness موجود ہوں جو قرآن کے لفظوں کی شہادت دے رہے ہوں: "وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى" (البقرہ: ۵۷) (اور ہم نے سایہ کردیا تم پر بادل کا اور اتارا تم پر من وسلویٰ۔) چالیس برس بنی اسرائیل پر بادلوں نے سایہ کیا۔ چالیس برس ان پر من وسلویٰ اتارا گیا۔ ایک بھی witness آج تک ایسا نہ ملا جس نے کہا ہو کہ ایسا نہیں ہوا تھا لیکن دورِ حاضر کا ٹی وی مبلغ کہتا ہے نہیں نہیں، ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا، وہ تو دراصل Migrating birds جب اس صحرا سے گزرتے تو صحرا کی گرمی سے مر کر نیچے گر پڑتے تھے اور بنی اسرائیل ان کو کھا لیتے۔ یا پھر ان میں سے کوئی ایک شہادت آ جاتی کہ ایسا تو ہوا ہی نہیں کہ صحرائے سینا سے گزرتے ہوئے ہمارے سر پر بادلوں کا سایہ ہو، ہم تو گرمی میں جلتے سڑتے رہے..... یا پورے اعراب میں سے جو پہاڑوں پہ چڑھے ہوئے بابلیوں کا آنا دیکھ رہے تھے کوئی کہہ دیتا کہ ایسا نہیں ہوا۔

خواتین وحضرات! یہ ہماری جبلت ہی ہے کہ ہم خدا کے حریف بن جاتے ہیں۔ ہم اُن باتوں سے انکار کرتے ہیں جو خدا کی قوتوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ عیسیٰ کا پیدا ہونا ہو یا حضرت زکریا کے گھر حضرت یحییٰ کا پیدا ہونا ہو، ہم ان تمام خارقِ عادت چیزوں پر اس لیے اعتراض کرتے ہیں کہ ہماری محدود عقل میں reason نہیں آتی اور اگر فرض کرو کہ reason

نہیں آتی تو ہم صبر نہیں کرتے، ہم اتنا صبر بھی نہیں کرتے کہ ہماری عقل میں reason آئے اور ہم چیزوں کو پہچان سکیں۔ ہم فوری طور پر اپنی عقل کو مکمل جانتے ہوئے ان آیاتِ الٰہی پر فیصلہ دیتے ہیں اور خواتین و حضرات! اسی لیے پروردگار عالم نے ان بدکار یہودیوں پر دو الزام لگائے ہیں جن کے نفسی اشکال اتنے مضبوط تھے جو آج بھی بعینہٖ آپ کے ہاں ہو رہا ہے پہلا یہ کہ: "ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ " ان کی عقل انھیں سکھاتی تھی کہ اپنے مقاصد اور شہوات دنیا حاصل کرنے کے لیے وہ تھوڑا سا آیات کا مطلب twist کر دیتے، ایک نقطہ ڈال دیتے تھے، تھوڑا سا مطلب بدل دیتے تھے۔ دوسرا یہ کہ: "اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا" (بقرہ ۲: ۱۵۹) اصلی آیات کتاب میں سے چھپا جاتے تھے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ یہودیوں کی عادت ہے کہ یہ دنیاوی منصب اور تکبراتِ ذات کے لیے، اپنے نفسی اشکال کے لیے یہ آپ کے سامنے اپنی کتاب تورات کو چھپا جائیں گے اور وہی ہوا۔ جب وہ لوگ آئے اور پوچھا گیا کہ یہ آیات تمہاری کتاب میں ہیں تو انھوں نے کہا نہیں ہیں۔ پھر عبداللہ بن سلامؓ باہر نکلے اور فرمایا: "کیوں جھوٹ بولتے ہو؟ کیا فلاں فلاں آیت تورات میں موجود نہیں ہے"۔ خواتین و حضرات! خدا نے یہ دو الزام ان پر لگائے۔ ایک تو آیات کا مفہوم تبدیل کر دیا اور دوسرا اسکو چند روپے پیسوں کے لیے بیچ دیا، چند ٹکوں کے لیے بیچ دیا۔ خواتین و حضرات آپ سے ایک بات کر رہا ہوں کہ جو عالم اپنے آپ کو بڑا نیک، بڑا پرہیزگار، بڑا معتبر سمجھ کر ٹی وی پر جاتا ہے، دین کی تبلیغ کے لیے جاتا ہے اللہ کے کام کے لیے جاتا ہے تو تھوڑے عرصے کے بعد اسکو کہا جاتا ہے، چاہے کتنی ہی اللہ کی معتبر بات کہی جا رہی ہو، ذرا ٹھہرو! ایک تھوڑا سا اشتہار فلاں خاتون کا لگا لیتے ہیں، پھر واپس آتے ہیں۔ تو کیا آپ سمجھتے ہو کہ اس ٹی وی کا مقصد وہ لیکچر ہوتا ہے یا اس ٹی وی کا مقصد بنیادی طور پر وہ اشتہار ہوتا ہے جو نہ کسی صدر کے لیے بند ہوتا ہے، نہ کسی مبصر عمران خان کے لیے بند ہوتا ہے، نہ بے نظیر کے لیے بند ہوتا ہے اور نہ خدا اور اس کے رسول کے لیے بند ہوتا ہے۔ یہ عالم یہ توہین مراتب کیسے قبول کرتے ہیں؟ مگر ان کو اپنی

حبِ جاہ عزیز ہوتی ہے، ان کو اپنی شہرت عزیز ہوتی ہے۔

خواتین وحضرات! نفس کے یہ اشکال خفیہ ہوتے ہیں۔ ایک کو exhibition کہتے ہیں۔ ایک کو narcissism کہتے ہیں۔ ایک خود پسندی کے ضمن میں آتا ہے اور ایک خودنمائی کے ضمن میں آتا ہے اور بڑے سے بڑا معتبر عالم بھی اس سے بچا ہوا نہیں۔ یہ تو وہ تسخر بن جاتا ہے اور وہ بے عقل لوگ اتنا سارا علم رکھنے کے باوجود اپنی بے پناہ اور وسیع تر زندگی کا سودا ان ستر سالوں کے ساتھ کر لیتے ہیں۔ ہم اسے کیسے عاقل مان لیتے ہیں؟ کیسے ہم انھیں دانشور مان لیتے ہیں؟ اسی لیے نفس کے اشکالات کو سمجھنے کے بعد، اپنی inferiority کو clean کرنے کے بعد..... ہمارے معاشرے میں ہر بندہ کسی نہ کسی احساسِ کمتری کا شکار ہے۔ اور ہم ہر دوسرے بندے میں احساسِ کمتری ڈھونڈتے ہیں۔ ہم دوسروں کا تجزیہ کرنے میں تو بڑے مخلص ہیں مگر خواتین وحضرات! جب ہماری اپنی بات آجائے تو ہمارے اپنے fears اور frustrations بالکل سلامت رہتے ہیں جیسے ہماری خواتین، جیسے ہمارے نوجوان کہ خدا کی قوتوں کو بانٹتے ہیں۔ جیسے میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ اہلِ عرب اللہ کو مانتے تھے، جانتے تھے مگر کہتے تھے کہ ایک اللہ سارے کام کیسے سرانجام دے سکتا ہے، چلو کچھ دیویاں کچھ کام لات، منات، عزیٰ، یہ خدا کی تین بیٹیاں کر لیں گی۔ خدا کی قوتوں کو تقسیم کرنا اور نفس کا درمیانی اشکال تخلیق کرنا توحید کے ضمن میں سب سے بڑا خوف زدہ کرنے والا دعویٰ تھا۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ پوچھا گیا یا رسول ﷺ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: "جو فال نہیں لیں گے، جو شگون نہیں لیں گے"۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر یہ نہیں کہیں گے کہ بلی راستہ کاٹ گئی ہے، جو یہ نہیں کہیں گے کہ دروازہ ہوا سے بند ہو گیا، بُرا شگون ہے، جوتی الٹی ہوئی ہے تو کوئی نیا ثواب نہیں ڈھونڈیں گے۔ جن کا اللہ پر نفع اور نقصان کا، خیر اور شر کا اتنا مکمل اعتبار ہو گا کہ جب کوئی ایسی کیفیت ان کے دل پر وارد ہو گی اور ضرور وارد ہو گی اس لیے کہ اَلدُّنیَا سِجنُ المُؤمِن "دنیا عیش وعشرت کے لیے نہیں ہے۔ یہ ڈرائنگ روم نہیں ہے۔

اس میں مشقت ہے۔ اس میں مصیبت ہے۔ اس میں کچھ آزمائش ہے "مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِین" اس میں تمہارا کچھ فائدہ ہے، کچھ تمھاری آزمائش ہے۔ مگر جب تم پر مصیبت آئے، تم پر ایسی کیفیت وارد ہو: "وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ" تو پرچہ امتحان میں یہ لکھنا: "قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" کہ نہ کسی جادوگر کی وجہ سے، نہ کسی بے چاری ہمسائی کی وجہ سے، نہ کسی دور افتادہ بدتمیز عزیز کی وجہ سے بلکہ تمام الم، تمام مصیبت، تمام رنج مجھ پر میرے اللہ کی وجہ سے ہے اور وہ میرا ظرف دیکھ رہا ہے اور وہ میری تحصیلِ علم دیکھ رہا ہے، میری تحصیلِ اخلاق دیکھ رہا ہے، میرا اعتبار و یقین دیکھ رہا ہے اور میں ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز اس سفر میں پورا اتروں گا:

"اَلتَّائِبُونَ الْعٰبِدُونَ الْحٰمِدُونَ"(توبہ ۹ : ۱۱۲)

(توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے تعریف کرنے والے)

میں خدا کی طرف آؤں گا، عبادت کرتا ہوا، اس کی حمد کرتا ہوا اور میں کہوں گا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن" اے مالک و کریم میرے نفس کے سارے اشتباہ غلط اور جھوٹے ہیں۔ یہ شکوک اور اوہام غلط ہیں۔ یہ تمام مصیبتیں اللہ کی وجہ سے آئی ہیں اور یقیناً اسی طرف پلٹ جائیں گی، اور تو اسے قائم نہیں رکھے گا، تو کسی بھی مصیبت کو مجھ پر قائم نہیں رکھے گا اس لیے کہ تو نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے: "تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" (ہم لوگوں پر ایک جیسے دن نہیں رہنے دیتے) اچھے برے ایام بدلتے رہتے ہیں۔ خیر و شر سے آزماتے ہیں اور کسی کو شر کے تحصل سے آزماتے ہیں، کسی کو instigation سے آزماتے ہیں، کسی کو غصہ اور نفرت سے آزماتے ہیں۔ ہم جبلی اقدار کے مخالف کھڑے ہیں اے بندگانِ خدا...... ! یہ یاد رکھنا کہ ہم جبلی اقدار کے مخالف کھڑے ہیں۔ ہمارا راستہ نفس کے خلاف جاتا ہے۔ شیطان تمھارے دل پر، اس سرزمینِ نفس پر کاشت کرتا ہے۔ ہم اسے نفرت مہیا کرتے ہیں۔ ہم اسے ذلت مہیا کرتے ہیں، یہ ہم پر کاشت کرتا

ہے۔ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں۔اللہ کہتا ہے کہ میں عذاب نہیں دیتا: "مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُم" (ہمیں کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب دیں۔) اے بندگانِ خدا! سوچو! اللہ کیا کہہ رہا ہے کہ مجھے کیا پڑی ہے کہ میں عذاب دوں، میں عذاب دینے والا نہیں ہوں بشرطیکہ "اِن شَکَرتُم وَاٰمَنتُم" (اگر تم شکر والے ہو اور مجھے ماننے والے ہو) مجھے تقسیم کرنے والے نہیں ہو، مجھے بانٹنے والے نہیں ہو، میری قوتوں کو تقسیم کرنے والے نہیں ہو، اگر تم مجھے صحیح طرح اللہ ہی مانتے ہو، تو میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ: "مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُم" مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہیں عذاب کروں، اگر تم واقعتاً مجھ پر ایمان رکھتے ہو "وَکَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیمًا" ہم تمہارا شکر بھی قبول کرتے ہیں۔تمہارے مصائب بھی دور کرتے ہیں۔ "اَمَّن یُّجِیبُ المُضطَرَّ اِذَا دَعَاہُ" مضطرب کی اضطراب میں دعا بھی سنتے ہیں۔ "وَیَکشِفُ السُّوءَ" تمہاری برائی کی گرہیں بھی کھولتے ہیں۔تمہیں تمہارے مصائب سے بھی release کرتے ہیں۔ "وَیَجعَلُکُم خُلَفَاءَ الاَرضِ" اور زمین پر تمہیں عزت اور استحکام بھی بخشتے ہیں مگر نقص صرف یہ ہے کہ تمہاری جبلت کی ترجیحات غلط ہیں۔تمہاری دنیاوی نفس کی ترجیحات غلط ہیں۔بجائے اس کے کہ تم ہمیں ترجیح اوّل قرار دو: "ءَاِلٰـہٌ مَّعَ اللّٰہِ" اللہ ہی ہے جو تمہارے مصائب کا علاج کرتا ہے۔ "قَلِیلًا مَّا تَذَکَّرُونَ" (مگر تم اسے یاد بہت کم کرتے ہو۔) خواتین و حضرات! نفس کی تمام بلاؤں کا توڑ ایک ہے۔ارشادِ خداوندی ہے کہ شیطان تمہارے دائیں سے آئے گا، بائیں سے آئے گا، ہر طرف سے تمہیں ورغلائے گا، ہر طرف سے تمہیں دھوکہ دے گا مگر ایک چیز آپ کو بچائے گی، جو اللہ کا وعدہ ہے کہ چاہے نفس کتنی ہی ترغیبات تمہیں دے، میرے ان بندوں کو نہ شیطان نہ نفس بہکا نہیں سکے گا: "اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ المُخلَصِین" جو میرے لیے ذرہ برابر بھی اخلاص رکھتے ہیں۔اللہ فرماتا ہے کہ جو میرے لیے ذرہ برابر بھی اخلاص رکھتا ہے، نہ ان کو شیطان بہکا سکتا ہے نہ ترغیباتِ نفس بہکا سکتی ہیں۔ جب آپ اپنی نگرانی کرو گے، جب آپ اپنے آپ کو watch کرو گے اور watch صرف ایک بڑی بات پر کرنا ہے۔

دوزخ بڑی مشکل ہے مسلمان کے لیے جنت بڑی آسان ہے۔۔۔۔۔رسول ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا بندوں پر ایک حق ہے اور بندوں کا اللہ پر ایک حق ہے۔ پوچھا گیا: "یا رسول ﷺ اللہ وہ کیا حقوق ہیں"؟ فرمایا: "جب آپ اُس کو اللہ مانو تو اس میں کسی کو شریک نہ کرو"۔ اس کی قوتوں میں کسی کو حصہ دار نہ بناؤ، اپنے جیسے چھوٹے اور کمزور انسانوں کو خدا کا حریف نہ بناؤ۔ جب تم اللہ کو اللہ کی طرح مانو تو تمھارا حق ہے اللہ پر کہ وہ تمھیں عذاب نہ دے اور دوزخ میں نہ جانے دے۔ جس نے دل سے ایک مرتبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا اس کے جسم اور اس کے خیال پر دوزخ کی آگ حرام کردی گئی۔ کتنا آسان ہے جنت میں جانا۔ یہ فریب نفس بہت طاقت ور ہے مگر جب آپکو اللہ سے انس ہوگا، اللہ سے محبت ہوگی تو یہ نفس آپکو تخریب کاری میں نہیں ڈال سکے گا۔ یہ بدترین کوششوں کے باوجود بھی آپکو damage نہیں کر سکے گا۔

عقل ایک ہی بات سکھاتی ہے کہ خسارے کا سودا نہ کرو۔ ستر سال کے عوض ستر کھرب سالوں کا سودا نہ کرو۔ عقل آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ زمین سے نکلنا چاہتی ہے۔ اس مصنوعی قید خانے سے نکلنا چاہتی ہے۔ عقل آپکو سکھاتی ہے کہ یہ منزل نہیں ہے۔

زندگی اک سفر کا وقفہ ہے
اور آگے چلیں گے دم لے کر

"مُستَقَرٌ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِین" اس چھوٹے سے وقفے میں سلامتی، عقل کا باعث صرف اور صرف خدا کی محبت ہے۔ "فَاذکُرُوا اللّٰہَ کَذِکرِکُم اٰبَآءَکُم" اللہ کو ایسے یاد کرو جیسے اپنے آباؤ اجداد کو یاد کرتے ہو، "اَو اَشَدَّ ذِکرًا" ذرا زیادہ یاد کرو تا کہ اللہ کو معلوم ہو کہ میرا بندہ ہر خواہش بدن اور نفس کے باوجود مجھے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ ربِّ کعبہ کی قسم ہے کہ اگر آپ نفس کی اس تخریب کاری سے بچ نکلے اور اللہ آپکے ہاتھ سے نہ گیا: "مَن عَرَفَ نَفسَهٗ فَقَد عَرَفَ رَبَّهٗ" تو خدا آپ کی دہلیز پر ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ المبین